© rasailojaraid.com

شاہ عبداللطیف بھٹائی کے حالاتِ زندگی اور کلام

عذرا وقار*

شاہ عبداللطیف بھٹائی کا شمار اُن مسلمان صوفی شعراء میں ہوتا ہے جن کی شاعرانہ عظمت کے سر پر شہرت عام نے بقائے دوام کا تاج رکھ دیا ہے۔ آپ کے غیر فانی ہونے کا سبب یہ ہے کہ آپ کی شاعری اور پیغام کے مخاطب ساری دنیا اور ہر دور کے انسان ہیں۔ شاہ عبداللطیف بھٹائی کی وجہ سے سندھ ایک نئے ادبی، ثقافتی اور تہذیبی دور میں داخل ہوا۔ اس دور کو ہم شاہ صاحب کا دور کہہ سکتے ہیں کیونکہ ان کے دور میں سندھ صدیوں کا ثقافتی، تہذیبی اور روحانی سفر ایک ہی جست میں طے کر کے تہذیب وثقافت کے ایک نئے دور میں داخل ہوا۔ شاہ صاحب نے سندھ کی تہذیب وثقافت کو سندھ کے دکھ درد، محرومیوں اور خوابوں اور امنگوں کو اپنے آپ میں جذب کیا اور اپنی شاعری کے کینوس پر پورے سندھ کو نئے سرے سے تخلیق کیا۔ آج کا سندھ شاہ لطیف کا تخلیق کیا ہوا سندھ ہے اور ہر سندھی باشندے کے مزاج میں شاہ سائیں کی شاعری کے مزاج کا عکس نظر آتا ہے۔

۱۔ حالاتِ زندگی

شاہ عبداللطیف بھٹائی ۱۶۸۹ء میں ضلع حیدرآباد سندھ کی تحصیل بالا کے ایک گاؤں بالا حویلی کی ایک اہل اللہ درویش صفت اور عبادت گزار شخصیت شاہ حبیب سید کے گھر میں پیدا ہوئے۔ آپ کو بھٹائی اس لیے کہا جاتا ہے کہ آپ اپنے گاؤں سے تھوڑے سے فاصلے پر ایک ٹیلے پر مستقل مقیم رہتے۔ سندھی زبان میں ٹیلے کے لیے بھٹ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اس نسبت سے آپ کو بھٹائی یعنی 'ٹیلے پر رہنے والا' کہا گیا ہے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں اب بھٹ شاہ کا شہر موجود ہے۔[1] آپ کی وفات ۱۷۵۲ء میں ہوئی۔

آپ کا دور سترھویں صدی کا آخری حصہ اور اٹھارویں صدی کا پہلا نصف حصہ ہے۔ یہ ہندوستان کی تاریخ کا وہ دور تھا جس میں ہر طرف فسادات بغاوتیں، بدامنی، لوٹ مار اور قتل وخون کا بازار گرم تھا۔ شاہ صاحب کے بچپن میں اورنگ زیب عالمگیر حکمران تھا۔ اس وقت ملک میں امن وامان قائم تھا۔ مگر اس کے بعد ابتری اور انتشار پھیل گیا۔ اس

* سینئر ریسرچ فیلو، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ وثقافت، مرکز فضیلت، قائداعظم یونیورسٹی، اسلام آباد۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وقت شاہ صاحب کی عمر اٹھارہ برس تھی۔ مغلوں کے بعد سندھ کی حکومت کلہوڑہ خاندان نے سنبھالی۔ جس کے بعد سندھ احمد شاہ درانی کی سلطنت میں شامل ہوگیا۔ ان کی پیدائش کے بعد شاہ صاحب کے والد نے ہالا حویلی سے سکونت ترک کردی اور کوٹری میں آباد ہوگئے۔ جو بھٹ شاہ کے قریب ہے۔ شاہ صاحب کا سلسلہ نسب آنحضرت محمد ﷺ سے ملتا ہے۔ شاہ صاحب کے مورث اعلیٰ ہرات سے ہجرت کرکے ہالا، سندھ میں آباد ہوئے تھے۔ شاہ صاحب کے پردادا حضرت شاہ عبدالکریم بلڑی والے (۱۵۳۷ء-۱۶۲۲ء) بلند پایہ صوفی شاعر اور آپ کے والد شاہ حبیب بھی مذہبی شخصیت اور بلند پایہ شاعر تھے۔ شاہ صاحب نے ہوش سنبھالا تو اپنے والد کے گرد مریدین اور معتقدین کا بہت وسیع حلقہ دیکھا۔ شاہ صاحب بچپن میں بہت سنجیدہ اور خاموش طبع تھے۔ اپنے ہم عمروں کے برعکس وہ خلوت پسند تھے اور تنہا دشت پیمائی کیا کرتے تھے۔ اس طرح قدرت کی رفیق اور اتالیق مخفی قدرت کے شاہکاروں سے لطف اندور ہوتے۔ سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ بچپن اور لڑکپن میں لڑکوں کے ساتھ کھیل کود کے بجائے وہ مذہبی حقائق اور صوفیانہ اقوال کی توضیح کیا کرتے تھے۔ نیز اپنے دوستوں کو کرامات دکھایا کرتے تھے۔

شاہ لطیف جب ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے قابل ہوئے تو آپ کو نزدیک کے مدرسے میں داخل کرایا گیا جہاں اس علاقے کے ایک ممتاز عالم دین درس دیتے تھے۔ استاد نے جب آپ کو "الف" کے بعد "ب" پڑھنے کو کہا تو آپ نے یہ کہہ کر مزید پڑھنے سے انکار کردیا کہ نہ "الف" سے پہلے کچھ تھا اور نہ بعد میں کچھ ہے۔ چھوٹی عمر میں اس طرح معرفت کی باتیں صرف اہل سلوک ہی کرسکتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے مدرسے کی تعلیم کی بجائے سیر وسیاحت کو اپنایا۔

کوٹری کا شہر ایک مغل رئیس کے ماتحت تھا جس کا نام مرزا مغل تھا۔ شاہ صاحب کی جوانی کے زمانے کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ مرزا مغل بیگ کی بیٹی سیدہ بیگم بیمار پڑی۔ مرزا نے اُن کے والد کو دعا کرنے کے لیے بلایا مگر اُنہوں نے شاہ عبداللطیف کو اپنی جگہ دعا کرنے بھیج دیا۔ اُس لڑکی کے حسن کو دیکھ کر شاہ صاحب اس کے عشق میں مبتلا ہوگئے۔ اگرچہ شاہ صاحب کے والد مرزا مغل کے خاندان کے روحانی پیشوا تھے مگر مرزا اپنا سلسلہ نصب چنگیز خان سے ملاتا تھا۔ اس کو یہ گوارا نہ ہوا۔ ان کے خاندان کو تنگ کیا جانے لگا تو وہ وہاں سے ترک سکونت کرکے شمال کی جانب جاکر آباد ہو گئے۔ شاہ صاحب کو جب عشق میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تو وہ صحراؤں اور ویرانوں میں نکل گئے اور شعر کہنے لگے۔ رفتہ رفتہ جذبہ عشق کی شدت اتنی بڑھی کہ بعض لوگوں کے بقول نوجوان شاہ صاحب بے ہوش ہوجاتے۔ آخر انہوں نے دنیا ترک کردی اور خانہ بدوش فقیروں کی ٹولی سے مل کر گانے بجانے لگے۔ گیروا لباس پہن لیا اور ان کے ساتھ ہولیے۔

شاہ صاحب نے اپنے آباؤ اجداد کی طرح تمام شرعی فرائض پورے کیے۔ اگرچہ وہ مذہبی معاملات میں بڑے وسیع النظر تھے مگر احکام شریعت کی ادائیگی فرض سمجھتے تھے۔ وہ اعمال ظاہری کی بجائے طہارت قلب اور کردار کی درستی پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہت زور دیتے تھے۔ شاہ صاحب کی محفل میں بہت سے لوگ بلا تفریق رنگ و نسل، مذہب و ملت ان کے الہامی اشعار سننے آیا کرتے تھے۔ جن میں امن و آشتی، محبت اور بھائی چارے کا درس دیا جاتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ نے وفات سے پہلے اکیس دن مراقبے میں گزارے اس کے بعد اُٹھے غسل کیا، سفید چادر اوڑھی اور فقرا کو موسیقی کا حکم دیا۔ تین دن تک موسیقی کا سلسلہ چلتا رہا۔ جب فقرا نے موسیقی بند کی تو وہ انتقال کر گئے۔ ان کی عمر تریسٹھ برس تھی۔

موسیقی کی تحریک

جس طرح امیر خسرو نے عربی اور ایرانی موسیقی میں ہندی موسیقی کی آمیزش کی اسی طرح شاہ صاحب نے ان کے چار سو برس بعد موسیقی میں ایک نئی تحریک شروع کی جو ایک لحاظ سے امیر خسرو کی تحریک کی الٹ تھی۔ آپ نے عربی موسیقی اور ایرانی موسیقی کی تجدید کی تحریک اٹھائی۔ آپ امیر خسرو کی ایجاد کردہ موسیقی میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ ٹھٹھہ قدیم سندھ کا دارالخلافہ اور موسیقی کا، خصوصاً مغل دور میں، مرکز رہا تھا۔ اس موسیقی کا عہد بہ عہد مطالعہ کرنے کے بعد شاہ صاحب اس نتیجے پر پہنچے کہ اس میں مصنوعی اور غیر فطری اضافے ہوتے رہے ہیں جس سے اس کے ارتقاء میں فرق پڑ گیا ہے چنانچہ آپ نے یہ انقلابی قدم اٹھایا کہ ایرانی موسیقی اور عربی موسیقی کی تجدید کی اور اس میں سندھ کی عوامی موسیقی سے استفادہ کیا۔ اس نئی موسیقی کو رواج دینے کے لیے آپ نے ۱۷۴۶ء میں بھٹ شاہ میں موسیقی کا ایک ادارہ قائم کیا جس کی حیثیت موسیقی کے ایک عظیم الشان مدرسے کی سی تھی۔ یہ زمانہ وہ تھا جب آپ نے بھٹ شاہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ اس ادارے میں آپ نے ایسے موسیقار تیار کیے جو آپ کی شاعری کو نئی موسیقی کے قاعدوں کے مطابق گاتے تھے۔ دس برس کی قلیل مدت میں آپ کی تربیت کے فیض سے لاتعداد نئے موسیقار تیار ہو گئے۔

ہر جمعرات کو رات کے وقت یہ موسیقار اپنے جوہر دکھاتے اور نئی موسیقی کے تجربے کیے جاتے۔ نمازِ عشاء کے بعد سے صبح کی اذان تک بھٹ شاہ میں نغموں کا ایک طوفان برپا رہتا۔ ان موسیقاروں کے گانے کے لیے آپ نے نظموں کو راگوں اور راگنیوں کے لحاظ سے مختلف حصوں میں تقسیم کیا اور چونکہ آپ خود بھی گایا کرتے تھے اس لیے خود گا کر انہیں بتاتے تھے کہ کون سے حصے کی نظمیں کس راگ یا راگنی میں گائی جائیں۔ اپنی ایجاد کردہ موسیقی کے قاعدوں کے مطابق گانے کے طریقے رائج کرنے میں آپ کو دس برس لگے مگر جب یہ طریقے رائج ہو گئے تو ایسے موسیقاروں کی ایک کھیپ تیار ہو گئی جنھوں نے سندھ میں موسیقی کا رنگ بدل دیا۔ ادارہ موسیقی قائم کرنے کے علاوہ آپ نے ایک قدم اور اٹھایا جس سے سازوں کی دنیا میں ایک انقلاب آ گیا۔ آپ نے ایک نیا آلہ موسیقی ایجاد کیا۔ طنبورہ چار تاروں کی بجائے پانچ تاروں سے بنایا۔ اس تبدیلی سے طنبورہ اصل عربی ایرانی روایات کے مطابق ہو گیا۔[۲]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سیاحت

اب شاہ صاحب کی وہ زندگی شروع ہوئی جس میں آپ نے دور دور کے سفر کیے۔ آپ نے فقیروں کی سنگت میں سندھ کی بہت سی زیارت گاہوں کی زیارت کی۔ سندھ کے مغربی حصے لس بیلہ اور ہنگلچ گئے اور ساحل کے ساتھ ساتھ ابراہیم حیدری، ریشی اور خان سے کھاری چھانن اور کیچ بھوج تک سفر کیا۔ آپ کاٹھیاوار بھی گئے اور جونا گڑھ کے قیام کے دوران آپ نے تہار کے ریگستان میں بھی کافی وقت گزارا۔ یہاں سے مشاہدات سے کام لیکر آپ نے عمر ماروی کے رومان کی بڑی کامیاب لفظی مصوری کی ہے۔ آپ نے ملتان، جیسلمیر، مکران اور بلوچستان کا سفر بھی کیا۔ سفر کے دوران جو تجربات ہوتے ان سے آپ کا ذہنی افق وسیع اور آپ کا دل کشادہ ہوگیا۔ کچھ عرصے بعد آپ نے فقیروں کا ساتھ چھوڑ دیا اور اکیلے جہاں گردی شروع کردی۔ اُنہوں نے کیچ مکران کا چپا چپا چھان مارا۔ پھر لس بیلہ کے راستے سندھ کے جنوب مغربی ساحلی علاقے میں پہنچے۔ وہاں غریب مچھیروں کی بستیاں بسی ہوئی تھیں۔ آپ نے ان میں سے ایک بستی میں قیام کیا اور مچھیروں کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے۔ یہاں سے آپ ٹھٹھہ گئے۔ یہ اُن دنوں ایک بہت بڑا شہر تھا۔

غار اور ساربان

ایک دن آپ پہاڑوں پر سفر کر رہے تھے کہ ایک جگہ کسی کے بڑی درد انگیز لے میں گانے کی آواز آئی۔ یہ آواز ایک غار سے آرہی تھی۔ شاہ صاحب غار کے اندر گئے تو ایک شخص جو کہ ساربان تھا شاہ لطیف کے گیت جھوم جھوم کر گا رہا تھا۔ شاہ صاحب کے پوچھنے پر اُس نے بتایا کہ یہ گیت اُس نے خانہ بدوش فقیروں کے ایک ٹولے سے سنا۔ ان بولوں نے اس پر اتنا اثر کیا کہ وہ اپنے قافلے سے جدا ہوگیا۔ یہ بول شاہ صاحب کے مشہور صحرائی رومان سسی پنوں کے شروع کے بول تھے۔ شاہ صاحب نے جب اس ساربان کو اُس گیت کا باقی حصہ سنایا تو وہ شخص بے ہوش ہوگیا۔ جب اُنہوں نے اُسے بلایا تو وہ انتقال کر چکا تھا۔ شاہ صاحب نے اسے وہیں دفن کر دیا۔

بھٹ شاہ

تین برس کی جہاں گردی کے بعد آپ ٹھٹھہ واپس پہنچے جہاں مخدوم خاندان رہتا تھا۔ مخدوم معین الدین نے آپ کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور اُنہیں گھر واپس جانے پر آمادہ کیا کیونکہ ان کے والدان کے لیے سخت پریشان تھے۔ اس عرصے میں آپ کا عشق مجازی عشقِ حقیقی میں بدل چکا تھا۔ وہ معمولی عوامی گیتوں کو درسِ روحانیت کے پیکر میں ڈھالنے کا جادو جان چکے تھے۔ اُدھر مرزا مغل ڈاکوؤں کے مقابلے میں تمام ہوا۔ اس کے خاندان کے تمام مرد مارے گئے۔ بعد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں خاندان کی خواتین نے سیدہ بیگم کی شادی شاہ صاحب سے کردی۔ مگر اب آپ عشق حقیقی کے راستے پر چل پڑے تھے۔ آپ کی چشم جستجو پر ساری کائنات کی حقیقت آشکار ہوگئی تھی۔ آپ کی محبت اب ایک یا چند افراد تک محدود نہ رہی تھی بلکہ اس دائرے میں ساری دنیا کے انسان آگئے تھے۔ آپ نے رفتہ رفتہ تمام دنیاوی رشتے توڑ ڈالے اور عرفانِ ذات کیلئے راہ طریقت کو اپنایا۔

جب آپ کی عمر ۵۶ برس کی تھی تو اُس وقت اُن کے والد کا انتقال ہوگیا۔ آپ نے ہالہ حویلی کی سکونت ترک کر کے بھٹ شاہ میں سکونت اختیار کرلی۔ یہ ایک ویران ٹیلہ تھا مگر اس کے اردگرد دور دور تک خوش منظر مرغزار اور جنگل تھے یہ ٹیلہ ایک جھیل کے کنارے تھا جسے کراڑ جھیل کہتے ہیں۔ اسی پر شاہ صاحب کا مقبرہ قائم ہے جو آپ کی وفات کے بعد کلہوڑا خاندان نے تعمیر کرایا۔ آپ نے اپنی زندگی کے آخری سات برس بھٹ میں گزارے۔ موسیقی کا شوق اس زمانے میں بہت بڑھ گیا۔ اکثر اپنے گیت گوا کر سنتے اور طنبورہ بھی بجواتے تھے۔ یہ دور آپ کی روحانی اور شاعرانہ شخصیت کے ارتقاء کا بلند ترین مرحلہ تھا۔ آپ کی شہرت دور دور تک پھیل گئی تھی۔ روزانہ لوگ بھٹ شاہ کی زیارت کے لیے جوق در جوق آتے۔

تعلیم

سوانح نگاروں کو اس بات کا ثبوت ملا کہ سفر و ہجر کے دوران آپ کلام پاک، مثنوی مولانا روم اور اپنے پردادا کا کلام اپنے ساتھ رکھتے۔ آپ کے بارے میں نامور اہلِ علم سے حصول علم کی تصدیق تاریخ کے ان حوالوں سے بھی ہوتی ہے جن میں بتایا گیا ہے کہ شاہ عنایت (جھوک وارو) شہید، ٹھٹہ کے مخدوم محمد معین، کھڑن وارو، مخدوم عبدالرحمٰن اور شاہ لطیف آپس میں گہرے دوست تھے۔ اور کئی کئی روز اکٹھے رہتے۔ یہ ان علماء کی صحبت کا نتیجہ تھا کہ آپ کے کلام میں جا بجا بڑی قابلیت سے عربی مقولے، کہاوتیں، احادیث، حکوم الٰہی کی آیات کے حصے، اسلامی علوم سے اشارے، ظاہری مشاہدات سے تشبیہات، تاریخیں اور تماثیل کے اقتباسات کو بڑی مہارت سے اور برصغیر کے مروجہ بحر و وزن کے مطابق ڈھالا گیا ہے۔

۲- شاعری

شاہ صاحب کا دور سندھی ادب کا عہد زریں ہے۔ اُن کی شاعری کی خصوصیات وحدت فکر، معنوی گہرائی، فکر کی بلندی، مضامین کی وسعت، سلاست و روانی، اثر انگیزی، نغمگی، حسن و عشق کا موضوع اور فراق وصال کا ذکر ہیں۔ ان کے اشعار سندھ کی بودوباش کی ترجمانی بھی کرتے ہیں اور انسانی مزاج اور نفسیات کا گہرا اور حقیقت پسندانہ مطالعہ بھی۔ تنوع اور رنگینی کے باوجود

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شاہ صاحب کا پیغام توحید اور اسلامی اقدار کا اتباع کرتا ہے۔[۴] وہ موثر انداز میں توحید کا سبق سکھاتے ہیں۔ اخلاقی اقدار پر زور دیتے ہیں۔ انسان دوستی کے جذبات واحساس پیدا کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ سے محبت کرنا سکھاتے ہیں۔

آپ نہ صرف ایک باکمال شاعر تھے بلکہ ایک اعلیٰ انسان بھی تھے۔ آپ کے کلام سے انسانیت کی بہتری اور برتری ظاہر ہوتی ہے۔ شاہ صاحب انسانی زندگی کے بڑے شارح تھے۔ ان کے کلام میں قلبی وارداتیں کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ ان کی شاعری اکتسابی نہ تھی بلکہ الہامی تھی۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں

لوگوں انہیں بیت نہ سمجھو
یہ آیتیں ہیں
جو انسانی قلوب کو لے کر
دوست کی طرف پہنچادیتی ہیں

فصاحت بلاغت، سلاست، روانی اور وحدت جو مشرقی شاعری کی خصوصیات ہیں، آپ کے کلام میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔ سادگی اور شگفتگی بھی اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے آپ کے کلام کی خصوصیت وہ موسیقیت ہے جو آپ کے کلام کے ہر لفظ سے ٹپکی ہے۔[۵]

شاہ صاحب نے لوک داستانوں کو جو کسی بھی معاشرے کے احساسات کی آپ بیتیاں ہوتی ہیں، اپنی شاعری کے لیے خام مواد کے طور پر استعمال کیا اور اُن کے کرداروں کو تمثیلی رنگ دیکر خدا اور انسان کے رشتے کے حوالے سے پیش کیا۔ ہر شاعر کا ایک دور ہوتا ہے اور وہ شاعر اپنے دور کا شعور ہوتا ہے۔ اس کی شاعری اس کے اپنے دور کے سیاسی، سماجی اور تہذیبی عوامل کا حسیاتی ردعمل ہوتی ہے۔ ان کی شاعری نہ صرف اپنے دور کے دکھ درد کا اظہار کرتی ہے بلکہ آنے والے ادوار کے دکھ درد، خوشیوں، محرومیوں، امنگوں اور نئے تقاضوں کی بھی شاعری ہے۔ آپ کی شاعری وقت، اور مقام کی قیود سے آزاد ہونے کے باعث ہر اُس مظلوم کے دل کی صدا اور پکار ہے جو بے بس، بے کس، درماندہ اور پسماندہ ہے اور جس کے ساتھ یہ مظالم مذہب، انسانیت اور اعلیٰ اقدار کے نام پر روا رکھے جاتے ہیں۔

شاہ صاحب کے مجموعۂ کلام کو شاہ جو رسالو کہا جاتا ہے۔ سندھی میں 'رسالوٗ' کا لفظ ایسے کلام کے لیے مخصوص ہے جو سارے کا سارا روحانی اور ربانی رموز سے بھرا ہوا اور تمام کا تمام گائے جانے کے لیے ہو۔ شاہ صاحب کا کلام بھی روحانی رموز اور ربانی اسرار کی باتوں سے لبریز ہے۔ یہ کلام شروع سے آخر تک موسیقی سے ہم آہنگ ہے اس لیے اس کا ہر مصرع، ہر بند اور شعر گایا جاتا ہے۔ شاہ جو رسالو کو مختلف راگوں کے ناموں کے عین مطابق مرتب کیا گیا ہے۔ جو یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں۔ سرایمن کلیان، سُر سرے راگ، سر رامکلی، سر کاپائتی، سر پر بھائی، سُر کامدو، سر کیدارہ، سر برود، سر کارایل، سر گھاتو، سرسامونڈری مونڈری، سرسورٹھ، سر رانو، سردہر، سر کھنجھات، سرسارنگ، سرریپ وغیرہ۔ اس طرح شاہ جو رسالو، تیس سروں پر مشتمل ہے۔ تمام سرابیات کا مجموعہ ہیں۔ جبکہ آپ نے ابواب کے بجائے لفظ داستان استعمال کیا۔ ہر داستان کے آخر میں مذکورہ داستان میں شامل موضوع پر کئی مصرعوں پر مشتمل ایک شعری صنف دی گئی ہے جسے 'وائی' کہا گیا ہے۔ سندھی زبان میں وائی کا مطلب کلام ہے۔ اس کی فنی مسافت ہو بہو کافی سے مماثل ہے کافی بھی گانے کے لیے لکھی جاتی ہے۔ شاہ صاحب خود موسیقار تھے۔ راگداری کے تمام رازوں کو جانتے تھے۔ انہوں نے برصغیر کے راگ، راگنیوں اور سرا اور سرتیوں کو سامنے رکھ کر ایک ساز ایجاد کیا جسے طنبورہ کہا جاتا ہے۔ طنبورے میں پانچ تاریں ہیں جن کو چھیڑنے سے برصغیر میں رائج پانچوں سروں کو گایا جاسکتا ہے۔ شاہ صاحب کے بارے میں ڈاکٹر داؤد پوتہ نے لکھا ہے

> ''اُن کی شاعری کئی رخوں کے ہیرے کی مانند ہے اور اس میں صوفیانہ شاعری، روحانی، اخلاقی، رومانوی اور غنائی ہر قسم کے مضامین ہیں۔ لیکن ان سب میں شاعر کا دل خالق سے لگا ہوا ہے جس کی طرف تمام اشیاء بالآخر واپس ہوتی ہیں۔ یہ درد فراق، اضطراب عاشقی اور لامحدود میں سما جانے کی دلی آرزو سے بھرپور ہے اور اُن سے انتہائی حب الوطنی ٹپکتی ہے۔ یہ سندھ کے ارض و سما کے قدرتی حسن اور اُس کے عظیم دریا کی شوکت و جبروت کو ظاہر کرتی ہے۔ اپنے رفعت بخش مشملات کے علاوہ یہ جمالیاتی حسن کے عین مطابق ہے اور محاکات کے جادو سے معمور ہے۔ یہ سہ حرفی کے استعمال سے اور بھی سریلی ہو جاتی ہے جس سے انسان سیر نہیں ہوتا۔ یہ سندھی زبان کا خزینہ ہے اور جب تک یہ زندہ ہے سندھی زبان و ادب زندہ رہیں گے۔ شاہ عبداللطیف بھٹائی کے ہاں بیت یا دوہڑا نے ایسی رفعت پالی ہے کہ بعد کے شعراء اپنی تمام تر کوشش کے باوجود ان کی گرد کو بھی نہ پا سکے۔''

شاہ جو رسالو کا اولین مسودہ اُن کی وفات کے بعد اُن کے عقیدت مندوں نے مرتب کیا۔ اس کی اولین طباعت کا شرف جرمن اسکالر ارنسٹ ٹرمپ کو ملا۔ بعد ازاں ہر دور کے محققین اور مورخین نے انفرادی طور پر شاہ جو رسالو پر تحقیق کی اور اس کی ترتیب، تالیف اور تدوین کی۔ غیر ملکی محققین میں ڈاکٹر ایچ او اے، ڈاکٹر این میری شمل، مس طیبہ قاضی اور سندھ کے اہل قلم میں ڈاکٹر گرغستانی، غلام محمد شاہوالی، مرزا قلیچ بیگ، ڈاکٹر نبی بخش بلوچ، علامہ آئی، آئی، قاضی، محمد عثمان ڈیپلائی، قابل ذکر ہیں۔ آپ کی شاعری میں تین خوبیاں ایسی ہیں جو واضح طور پر دکھائی دیتی ہیں اسے ہم اُن کی شاعری کے تین پہلو بھی کہہ سکتے ہیں۔

۱۔ شاہ صاحب اسلام کے اُس عظیم روحانی روایت کے شاعر ہیں جس روحانی روایت کے شاعر مولانا روم، بابا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرید گنج شکر، بوعلی قلندر، قاضی قعقن، قاضی محمود دریائی وغیرہ تھے۔ آپ کی شاعری کا یہ نصب العین اسلامی تصوف اور قرآنی تعلیمات پر مبنی ہے۔ اس لحاظ سے آپ کی شاعری کا ماخذ قرآن شریف ہے۔ آپ نے تصوف کو عوام تک پہنچانے کا جو اسلوب اختیار کیا وہ اُن کا اپنا ہے۔ آپ نے سندھی عوام میں پھیلے قصوں اور عشقیہ داستانوں کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا اور اُن کو روحانی تمثیلوں کا رنگ دیا۔

محبوب حقیقی کی تلاش میں جو نتائج آپ نے اخذ کیے وہ آپ کی اپنی واردات قلبی اور ذاتی تجربات کا ماحصل ہے اور ان تجربات کو اُنھوں نے جو شاعرانہ اسلوب عطا کیا وہ بھی اُن کا منفرد انداز تھا آپ نے اپنی شاعری میں جو تشبیہات و استعارات استعمال کیے ان کا تعلق سندھ کی اس دور کی عوامی زندگی سے تھا۔ ایک نظم میں وہ کہتے ہیں:

ترجمہ: مجھے بتاؤ میری آنکھوں نے کیا دیکھا ہے
یہ قابو سے باہر کیوں ہو رہی ہیں
اُنھوں نے محبوب کے حسن کا جلوہ دیکھ لیا ہے
اس لیے اُن کا رنگ سرخ ہو گیا ہے
میری آنکھیں بھٹی کی طرح جل رہی ہیں
ان میں یادیں تڑپ رہی ہیں
میں سو گیا مگر میری آنکھیں جاگتی رہیں
اور محبت کے تاب افروز اشارے کرتی رہیں
وہ اپنے راستے پر بڑھتی چلی گئیں
جہاں مصیبتیں اُن کا انتظار کر رہی ہیں
ان کی بصارت ختم ہو گئی
مجھے باہر سے پھانسی کی پکار سنائی دے رہی ہے
اے بہن! کیا تو ہمت کر سکتی ہے
صرف وہی اس راہ میں قدم رکھیں
جو پیمانِ محبت بھول نہ گئے ہوں [۸]

گویا آپ نے تصوف کی تعلیم کو عوام کی روزمرہ کی باتوں اور کاموں کا جامہ پہنایا اور اس کے اظہار کے لیے عوام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی زبان کو استعمال کیا۔ اس لیے آپ کے اشعار بہت جلد خواص کے علاوہ عوام میں بھی مقبول ہو گئے ۔لوگ آپ کا کلام اس طرح سنتے جیسے جادو اُن پر اثر کر رہا ہو۔شاہ صاحب نے عوام ہی کی باتوں کو لیکر اُنہیں تصوف و روحانیت کے رنگ میں رنگ دیا۔ وہ مانوس الفاظ اور موسیقی سے مسحور ہو کر اُن کی تعلیمات کا اثر لیتے اور اپنے دل کی گہرائیوں میں اُتار لیتے۔

آپ نے جوانی میں سندھ کا چپہ چپہ چھان مارا تھا۔ اس سفر میں اُنہیں عوام کی مشکلات کا گہرا مشاہدہ کرنے کا موقعہ ملا۔ اس مشاہدے سے کام لیکر اُنہوں نے عوامی زندگی کی ایسی تصویریں کھینچیں کہ کوئی جزئی تفصیل تک نہ چھوڑی۔ دو سو سال پہلے سندھ میں اونٹ کیسے دوڑتے تھے، گاؤں کی شادی کی تقریبات میں کیا ہوتا تھا، عوامی رسوم و رواج اور تقریبات میں گائے جانے والے گیت کون سے تھے۔

آپ کی شاعری کا اصل موضوع عرفان ذات کی منزل تک پہنچنے میں پیش آنے والی جدو جہد تھا۔ اُن کی شاعری اس اہم سوال کا جواب ہے کہ انسان کی زندگی کا مقصد کیا ہے۔ وہ مقصد ہے خدا تک پہنچنا اور یہ رسائی مخلوق کے ذریعے حاصل کرنا۔ اُن کی ایک نظم

ترجمہ

وہی جل جلالہ - وہی جانِ جمال
وہی صورت یار کی - وہی حسن و کمال
وہی پیر مرید ہے - وہی آپ خیال
یاری سارا حال - لیا ہے یار سے جان

اسی طرح ایک اور نظم

ترجمہ

ساجن کیا کیا روپ ہیں تیرے - درشن لاکھ ہزار
جی جڑے ہیں جی سے سائیں - الگ الگ دیدار
تیرے روپ ہزار - کیا کیا روپ دیکھوں
پنجرہ پنچھی ایک ہے - وہ ہی ہنس وہ ہی تال
اپنے آپ میں ڈوب کے دیکھا - اپنا جب یہ حال
اپنے اندر جال - اپنا آپ شکاری[9]

۲- شاہ صاحب کی شاعری کی دوسری خوبی غریب مفلس و نادار لوگوں کے دکھ میں شریک ہونا۔ نوری جام تماچی کی شاعرانہ داستان میں ایسے بھوکے ننگے مچھیرے نظر آتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نمونہ کلام:

ترجمہ: کالے میلے تن ہیں جن کے ذرا نہیں سندر
بیچیں بیچ بازار میں، ٹوکرے بھر کر
جام تو ہے وہ رہبر، ان کے نام اُٹھائے

ترجمہ: کل تک تھیں محروم، آج ہیں محرم جام کی
میلی ہر مچھیرن کی، محلوں میں ہے دھوم
آج رہے ہیں دھوم، کیا کیا دان ملا ہے

ترجمہ: سمہ نے بخش دی ہے جھیل ان کو
ستارے آج ان کے روح پر ہیں
تماشا ہے کہ اب سارے مچھیرے
تماچی جام سے شیر وشکر ہیں۔[۱۰]

۴۔ شاہ لطیف کی شاعری کا ایک پہلو یہ ہے کہ شاہ سائیں حسن و جمال، عشق و محبت، وصل کی خوشی اور ہجر کے غم کے شاعر ہیں۔ ان کی جمالیاتی شاعری اُن کے جمالیاتی ذوق سے پھوٹی۔ ایسی شاعری کی مثال دنیا کے ادب عالیہ کے سوا کہیں نہیں ملتی۔ اس میں حسن و عشق کا ایسا جہان ہے جہاں کندن تن کنواریاں اپنے تن بدن اور جوڑوں کو خوشبوؤں میں رچاتی ہیں۔

نمونہ کلام:

ترجمہ: جیسے پھول گلاب، ایسا ان کا بھیس
جوڑے خوشبو میں رچے مہکے مہکے کیس

ترجمہ: کندن تن کنواریاں، کھیلیں چاندی سنگ
آنگن خوشبو میں لیے، مہکے سیج پلنگ

ترجمہ: جوڑے دھوتیں گھاٹ پر، مہکے سارا تال
بھنورے جانیں پھول ہیں، یہ خوشبوؤں کا جال
بھنوروں کا یہ حال، آن پڑیں پانی میں

ترجمہ: کس جانب میں جاؤں، روشن سب سنسار
ہر سو کاک محل ہے سجن، ہر سو باغ بہار
ہر سو وہ دلدار، ہر سو وہ ہی رانا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سُری رنگ بنیادی طور پر نعتیہ سُر ہے اور مجازی عشق کا عجیب رنگ لئے ہوئے ہے۔ شاہ صاحب محبوب کو بادلوں سے تشبیہہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ترجمہ: زلفیں جیسے کالے بادل، اکھیاں میگھ ملہار
جیسے سندر میکھ ہیں، ایسا سندر یار
آنکھ اٹھا دلدار، مسکا تو دکھ دور ہوں

ترجمہ: گرج چمک اور جھوم کے آئے بدرا اب کی بار
چھم چھم چمکے، گن گن گرجے، برسے میگھ ملہار
میری سندھڑی پر بھی سائیں، رحمت ہو ہر بار
دوست میرا دلدار، عالم سب آباد کرے

ترجمہ: عشق نے سسی کو دکھ دیے پھر بھی وہ اُس کے پیچھے بھاگتی رہی ہے پنوں کے عشق کی شراب پی کر بھی پیاسی ہے جو عشق کی شراب پیتا ہے اسے اور پیاس لگتی ہے

ترجمہ: تم سلیم الطبع اور عاجز بنو کہ خاکساری میں عظمت ہے۔ غصہ اور غم پریشانی لاتا ہے۔ اگر تم اس بات پر عمل کرو تو تمہیں حقیقی دانائی حاصل ہوگی۔

شاہ صاحب کی شاعری کے نمونے دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اُن کی شاعری کا موضوع خواہ روحانیت ہو انسانیت دوستی ہو یا جمالیات ہر قسم کی شاعری میں انہوں نے اس کا پورا حق ادا کیا ہے۔ آپ کسی بھی پہلو سے اس کا جائزہ لیں۔ الفاظ موتیوں میں پروے ہوئے لگتے ہیں۔ تشبیہات، استعارات، صنائع بدائع، غرض ہر وہ بات جو عظیم شاعری میں ہوتی ہے اُن کی شاعری میں موجود ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حوالہ جات

۱- غلام حیدر سندھی، سندھی زبان وادب کی تاریخ، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۹ء، ص۱۶۲-۱۶۳۔

۲- مظہر انصاری، شاہ عبداللطیف بھٹائی، لاہور، فیروز سنز، ۱۹۶۸ء، ص۳۰،۴۴،۷۔

۳- غلام حیدر سندھی، بحوالہ سابقہ، ص۱۶۴۔

۴- میمن عبدالمجید سندھی، لسانیات پاکستان، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۲ء، ص ۲۶۸۔

۵- تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان وہند (تیرہویں جلد) علاقائی ادبیات مغربی پاکستان (جلد اول) ۱۹۷۱ء، ص۵۱۵۔

۶- غلام حیدر سندھی، بحوالہ سابقہ، ص۱۶۷۔

۷- گزیٹئر آف سندھ (ترجمہ ایم انور رومان)، کوئٹہ، بے نظیر انٹر پرائزر، ۱۹۹۱ء، ص۲۸۵۔

۸- مظہر انصاری۔ بحوالہ سابقہ، ص ص۵۶-۵۷۔

۹- آغا سلیم، شاہ عبداللطیف بھٹائی کی شاعری، حوالہ ادبی تناظر (مرتب خالد اقبال یاسر)، اسلام آباد، اکادمی ادبیات پاکستان، ت-ن، ص۶۸۔

۱۰- ایضاً، ص۶۹۔

۱۱- ایضاً، ص۷۰-۷۳۔

۱۲- Amena Kashmiri. *The Resalo of Shah Abdul Latif Bhitai,* Hyderabad, Bitshah Cultural Centre Committee, 2003, p.123, p.63.

© rasailojaraid.com